شرحِ مثنوی مولانائے روم

(گذشتہ سے پیوستہ)

(۱۷) آفتاب آمد دلیلِ آفتاب گر دلیلت باید ازوے رومتاب

یعنی جس طرح آفتاب کے دیکھنے کا ذریعہ خود آفتاب ہے۔ اُسے کسی واسطہ یا ذریعہ کی ضرورت نہیں ہے اسی طرح عشق اپنی حقیقت خود ہی واضح کر دیتا ہے۔ اُسے کسی انسان کی تحریر یا تقریر کی حاجت نہیں ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ (جیسا پہلے بیان ہو چکا ہے) عشق ایک ذوقی اور وجدانی امر ہے، اور ہم کسی ذوقی یا وجدانی شئے کی حقیقت لفظوں سے واضح نہیں کر سکتے اس کی مثال یہ ہے کہ کوئی شخص سیب کی خوشبو یا انگور کے مزے کو لفظوں کے ذریعہ سے بیان نہیں کر سکتا۔ سیب کی خوشبو خود سیب کے سونگھنے ہی سے معلوم ہو سکتی ہے۔ خلاصۂ کلام یہ ہے کہ اگر عشق کی حقیقت سے آگاہی مطلوب ہے تو خود عاشق ہو کر دیکھ لو۔ تمہیں سب کچھ معلوم ہو جائے گا

(۱۸) از وے ار سایہ نشانے می دہد شمس ہر دم نورِ جانے می دہد

یہاں سے مولانا کا ذہن شمس (آفتاب) حقیقی کی طرف منتقل ہو گیا۔ چنانچہ اب آفتاب ظاہری اور آفتاب حقیقی (ذاتِ حق) میں فرق بیان کرتے ہیں کہ آفتاب ظاہری تو کبھی غائب بھی ہو جاتا ہے (اور اس وجہ سے سایہ پیدا ہو کر اس کی معرفت کا ذریعہ بن جاتا ہے) لیکن آفتاب حقیقی (اللہ تعالیٰ) تو کبھی غائب نہیں ہوتا۔ بلکہ ہر لحظہ اپنے عاشقوں (عارفوں) کو روحانی فیوضات سے نوازتا رہتا ہے اور چونکہ کوئی شے خدا کی ضد نہیں ہے اس لئے وہ اپنی شناخت کے لئے بھی کسی شئی کا محتاج نہیں ہے

(۱۹) سایہ خواب آرد ترا ہمچوں سَمَر چوں بر آید شمس اِنْشَقَّ الْقَمَر

سایہ سے مراد یہی سایہ ہے۔ جو دھوپ کی ضد ہے۔ سَمَر بمعنی افسانہ، واضح ہو کہ بادشاہوں اور امیروں کا یہ دستور تھا کہ رات کو قصے سنا کرتے تھے تاکہ بآسانی نیند آ سکے، اس شعر میں بھی آفتاب ظاہری اور آفتاب حقیقی میں تفاوت واضح کیا ہے، فرماتے ہیں کہ آفتاب ظاہری تو غائب بھی ہو جاتا ہے۔ اور جب غائب (غروب) ہو جاتا ہے تو سایہ پیدا ہو جاتا ہے۔ اور اس سے نیند آ جاتی ہے (عموماً رات کو سب لوگ سو جاتے ہیں) لیکن آفتاب حقیقی (حق تعالیٰ) تو کبھی غائب نہیں ہوتا۔ بلکہ ہر وقت نور برساتا رہتا ہے

"انشق القمر" کے لفظی معنی ہیں "چاند پھٹ گیا" یہ ترکیب قرآن شریف کی اس آیت سے ماخوذ ہے "اِقْتَرَبَتِ السَّاعَةُ وَانْشَقَّ الْقَمَرُ" ساعت نزدیک آ گئی اور چاند پھٹ گیا۔ یہاں مولانا نے اس قرآنی جملہ کو اپنے مفہوم کی وضاحت کے لئے استعمال کیا ہے۔ اس کی تفصیل یہ ہے کہ یہاں انہوں نے "قمر" سے کائنات مراد لی ہے، کہتے ہیں کہ جب آفتاب حقیقی ظاہر ہوتا ہے۔ تو اس کے نور کے سامنے ساری کائنات کالعدم ہو جاتی ہے۔ جس طرح آفتاب ظاہری کے سامنے قمر بے نور

ہو جاتا ہے۔ اس شعر میں مولانا نے مسئلہ وحدۃ الوجود کی طرف اشارہ کیا ہے۔

(۴۰) خود غریبے در جہاں چوں شمس نیست　　شمس جاں باقی است کورا امس نیست

غریب یعنی مسافر شمس (پہلے مصرع میں) سے شمس ظاہری مراد ہے، شمس (دوسرے مصرع میں) سے ذات حق مراد ہے۔ امس یعنی یوم گذشتہ، مطلب یہ ہے کہ آفتاب ظاہری تو ہر دم متحرک اور متغیر ہے، کیونکہ ہر وقت سفر میں رہتا ہے، کبھی طلوع ہوتا ہے کبھی غروب ہوتا ہے لیکن شمس حقیقی یعنی حق تعالےٰ ہر وقت ظاہر ہے وہ کبھی غروب نہیں ہو سکتا۔ اس کے لئے امس یعنی گذشتہ زمانہ یا آیندہ زمانہ نہیں ہے اس کو کبھی زوال نہیں ہوگا۔

(۴۱) شمس در خارج اگرچہ ہست فرد　　میتواں ہم مثل او تصویر کرد

(۴۲) لیک آں شمسے کہ شد زو شمس اثیر　　نبودش در ذہن و در خارج نظیر

پہلے مصرع میں شمس سے آفتاب ظاہری مراد ہے۔ دوسرے مصرع میں شمس سے حق تعالےٰ مراد ہے۔ اثیر یعنی کرۂ نار یا آفتاب ظاہری، بند یعنی مقید یا مسخر۔ مطلب یہ ہے کہ اگرچہ ظاہری آفتاب بھی فردِ واحد (اکیلا) ہے مگر ہم اس کے نظیر کا تصور کر سکتے ہیں یعنی ہم دوسرے آفتاب کے وجود کا تصور کر سکتے ہیں، لیکن ذاتِ حق ایسی ہے کہ یہ آفتاب ظاہری اس کا غلام ہے اور اس کے نظیر کا تصور بھی نہیں ہو سکتا۔

(۴۳) در تصور ذاتِ اورا گنج کو!　　تا در آید در تصور مثل او

یعنی اس کے نظیر کا تصور اس لئے نہیں ہو سکتا کہ خود حق تعالیٰ کی ذات ایسی ہے کہ اس کا تصور نہیں کیا جا سکتا (گنج یعنی گنجائش یا امکان) پس جب اس کی ذات کا تصور محال ہے۔ تو اس کی نظیر کا تصور کیسے ممکن ہو سکتا ہے؟

(۴۴) شمس تبریزی کہ نورِ مطلق است　　آفتاب است و ز انوارِ حق است

شمس ظاہری اور شمس حقیقی (حق تعالےٰ) کے تذکرہ کے بعد مولانا کا ذہن اپنے مرشد شمس تبریزی کی طرف منتقل ہو گیا جو شمس ظاہری کے مقابلہ میں کامل ہیں۔ نورِ مطلق سے ان کے کمال کی طرف اشارہ ہے۔ یعنی شمس تبریزی نورِ مطلق (مرشد کامل) ہیں اور ایک قسم کے آفتاب ہیں، اور اس کی وجہ یہ ہے کہ انہیں آفتاب حقیقی (خدا) کے انوار جلوہ گر ہیں،

(۴۵) چوں حدیث روئے شمس الدین رسید　　شمس چارم آسماں سر در کشید

شمس چارم آسماں سے آفتاب ظاہری مراد ہے۔ جو عام روایت کے مطابق چوتھے آسمان پہ ہے سر در کشیدن یعنی غروب ہو جانا۔ مطلب یہ ہے۔ کہ جب شمس تبریزی کا ذکر آیا تو خجالت کے مارے آفتاب نے اپنا مونہہ چھپا لیا یا غروب ہو گیا۔

(۴۶) واجب آمد چونکہ گفتم نامِ او　　شرح کردن رمزے از انعامِ او

یعنی اب جبکہ انکا نام میری زبان پر آگیا۔ تو مجھ پہ واجب ہے کہ ان کے احسانات کا بھی کچھ ذکر کر دوں، احسان سے مراد یہ ہے۔ کہ انہوں ہی نے مولانا کو رموزِ عشق سے آگاہ کیا تھا۔

(۴۷) ایں نفس جاں دامنم بر تافتہ است　　بوئے پیراہانِ یوسف یافتہ است

ابن نفس یعنی اس وقت۔ دامن برتافتن یعنی دامن پکڑ لینا مراد ہے۔ تقاضا یا اصرار کرنا۔ بوئے پیراہن یوسف یافتن کنایہ ہے اشتیاق سے مطلب یہ ہے کہ اس وقت میرا دل مجھ سے تقاضا کر رہا ہے کہ اپنے مرشد کے احسانات کا کچھ تذکرہ کرو۔ احسان سے مراد وحدت الوجود کا وہ راز ہے جو مرشد نے تلقین کیا تھا۔

(۲۸) کز برائے حق صحبت سالہا   باز گو رمزے ازاں خوش حالہا

یعنی سالہا سال کی صحبت کا تقاضا یہ ہے کہ ان حالات (فیوضات) میں سے جو صحبت مرشد سے حاصل ہوئے، بعض حالات کا بیان کیا جاتا ہے۔

(۲۹) تا زمین و آسماں خنداں شود   عقل و روح و دیدہ صد چنداں شود

زمین و آسماں کنایہ ہے ساری دنیا سے۔ خنداں یعنی بارونق۔ مطلب یہ ہے کہ وحدت الوجود کا راز بیان کرنے سے ساری دنیا بارونق ہو جائے گی۔ کیونکہ جب یہ حقیقت منکشف ہو گئی کہ ساری دنیا میں حق تعالےٰ کے علاوہ اور کوئی ہستی حقیقی معنی میں موجود نہیں ہے۔ اور جو کچھ موجود ہے، وہ سب اس کے سہارے سے قائم ہے یعنی اسی کی بدولت موجود ہے۔ تو لامحالہ اس کی طرف توجہ پیدا ہوگی اور یہ توجہ الی اللہ ہی دراصل باعث رونق کائنات ہے۔ دنیا میں جو کچھ نیکی، خوبی اور خیر و برکت پائی جاتی ہے یہ سب توجہ الی اللہ ہی کا ثمرہ اور نتیجہ ہے۔ علاوہ بریں خود بیان کرنے والے کو بھی فائدہ پہونچتا ہے کیونکہ کسی مفہوم یا مضمون کے بیان کرنے سے دل میں اس کی کیفیت تازہ اور قوی ہو جاتی ہے خلاصۂ کلام یہ ہے کہ رازِ توحید کا بیان کرنے سے مخاطب اور متکلم دونوں کو فائدہ ہوگا۔

(۳۰) گفتم اے دور افتادہ از حبیب   ہمچو بیمارے کہ دور است از طبیب
لا تکلفنی فانی فی الفنا   کلت افہامی فلا احصی ثناء

میں نے اپنی جان (دیکھو شعر ۲۷) کو جواب دیا کہ تو اپنے محبوب سے اس طرح دور ہو گئی جس طرح کوئی بیمار طبیب سے مطلب یہ ہے کہ میں خود درد فراق میں مبتلا ہوں۔ اس لئے مرشد کی مدح سے معذور ہوں پس تو مجھے مدح کی تکلیف مت دے کیونکہ میں تو حالت بیخودی (فنا) میں ہوں اور (شدت فراق کی وجہ سے) میری فہم کند ہو گئی ہے اس لئے میں ثنائے مرشد کا احاطہ نہیں کر سکتا۔

(۳۱) کل شیء قالہ غیر المفیق   ان تکلف او تصلف لا یلیق

اگر غیر المفیق (جس کے ہوش و حواس درست نہ ہوں) کوئی بات بیان کرے تو خواہ وہ تکلف کرے (طبیعت پر زور ڈال کر کہے) یا اظہار کمال کے لئے (یہ تصلف ہے) دونوں صورتوں میں اس کی تقریر لائق اور مناسب نہ ہوگی۔

(۳۲) ہر چہ می گوید مناسب چوں نبود   چوں تکلف نیک نالائق نمود

نیک بمعنی بسیار، مطلب یہ ہے کہ بیخود آدمی (غیر المفیق) جو کچھ کہتا ہے چونکہ وہ موقع و محل کے اعتبار سے نامناسب ہوتا ہے اس لئے تکلف آمیز گفتگو کی طرح بہت نالائق (غیر مناسب) ہوتا ہے۔

(۳۳) من چہ گویم یک رگم ہشیار نیست   شرح آں یارے کہ اورا یار نیست

"آں یارے" کنایہ ہے حق تعالےٰ سے، یار بمعنی شریک و نظیر، کہتے ہیں کہ میری ایک رگ بھی ہشیار نہیں ہے۔ اندریں حالات میں اپنے محبوب کی کیا حمد و ثنا کر سکتا ہوں، جس کا نہ کوئی شریک ہے نہ ہمسر و نظیر؟ واضح ہو کہ اشعار مذکورہ بالا سے معلوم ہو چکا ہے کہ انعام مرشد سے مراد ہے۔ راز وحدت الوجود، اور وحدت الوجود میں حق تعالےٰ کے کمال ذاتی کا بیان ہے۔ اس لئے مولانا نے اس شعر میں بجا طور پر اس راز کو "شرح آں یارے کہ او را یار نیست" سے تعبیر کیا ہے۔

(۳۵) شرح ایں ہجراں و ایں خونِ جگر ایں زماں بگذار تا وقتِ دگر

"ہجراں" اور "خون جگر" کنایہ ہے عشق حقیقی سے جو لازمی نتیجہ ہے مسلک وحدت الوجود پر عامل ہونے کا۔ مطلب یہ ہے کہ مولانا نے اپنی جان (شعر ۲۷) سے کہا کہ اُس راز (وحدت الوجود) کے بیان کو اس وقت رہنے دے پھر کبھی دیکھا جائیگا

(۳۶) قَالَ اَطۡعِمۡنِی فَاِنِّی جَائِعٌ وَاعۡتَجِلۡ فَالۡوَقۡتُ سَیۡفٌ قَاطِعٌ

تو میری جان (شعر ۲۷) نے مجھ سے کہا مجھے غذا دے، کیونکہ میں بھوکی ہوں (غذا کنایہ ہے اُس راز کے بیان کرنے سے) اور جلدی کر کیونکہ وقت تو سیفِ قاطع ہے۔ مطلب یہ ہے کہ جان نے کہا کہ وقت جب ایک مرتبہ چلا گیا یا گذر گیا تو پھر واپس نہیں آتا۔ اس لئے موجودہ وقت کو غنیمت سمجھو اور مرشد کے احسانات کا کچھ تذکرہ ضرور کرو۔

صوفی ابن الوقت باشد اے رفیق نیست فردا گفتن از شرط طریق

ابن الوقت، تصوف کی اصطلاح ہے، اور اس کا اطلاق دو معنی پر ہوتا ہے

(الف) وہ سالک جو مغلوب الحال ہو، یعنی جو حالت اس پر طاری ہو، اس کے آگے مغلوب ہو جائے۔ اس کے مقابل ابوالوقت ہے۔ یعنی وہ شخص جس میں اس قدر روحانی قوت ہو، کہ جس حالت کو چاہے اپنے اوپر طاری کرے

(ب) وہ سالک جو مقتضائے وقت کا حق ادا کرے، خواہ وہ واردات اُس پر غالب ہوں یا وہ ان پر غالب ہو، اور اس شعر میں یہی دوسرے معنی مراد ہیں۔ مطلب یہ ہے کہ میری جان نے مجھ سے کہا کہ تم تو صوفی ہو اور صوفی ابن الوقت ہوتا ہے، یعنی وہ مقتضائے وقت کا حق ادا کرتا ہے، اس وقت میں نے تم سے احسانات مرشد کے تذکرے کا تقاضا کیا ہے۔ پس تمہیں اس تقاضے کو پورا کرنا چاہئے۔ دوسرے وقت کا وعدہ کرنا یا کسی بات کو دوسرے دن پر ٹال دینا یہ تو طریقت کے خلاف ہے

صوفی ابن الحال باشد در مثال گرچہ ہر دو فارغ اند از ماہ و سال

چونکہ ابن الوقت کہنے سے یہ شبہ لاحق ہو سکتا تھا کہ شاید لفظ وقت کو لغوی معنی میں استعمال کیا گیا ہے۔ اس لئے رفع اشتباہ کے لئے فرماتے ہیں کہ صوفی کو اگر ابن الوقت یا ابن الحال کہتے ہیں، تو یہ محض مجازاً کہتے ہیں، ورنہ حقیقت یہ ہے، کہ صوفی اور وقت دونوں ماہ و سال یعنی زمانہ کی قیود سے فارغ ہوتے ہیں، یعنی مولانا نے لفظ وقت کو زمانہ کے معنی میں استعمال نہیں کیا بلکہ اس سے واردات قلبی مراد لی ہیں،

تو مگر خود مرد صوفی نیستی نقد را از نسیہ خیزد نیستی

میری جان نے بطور ملامت مجھ سے کہا کہ تم شاید صوفی نہیں ہو، جو اس طرح ٹال مٹول کر رہے ہو، موجودہ حالت (نقد) کو دوسرے وقت (نسیہ) پر موقوف کر دینے سے موجودہ حالت کو زوال ہو جاتا ہے۔ نسیہ بمعنی اُدھار

(۳۹) گفتمش پوشیدہ خوشتر سرِّ یار — خود تو در ضمنِ حکایت گوش دار

میں نے اپنی جان سے کہا کہ محبوب کے راز کو پوشیدہ رکھنا ہی مناسب ہے، لیکن میں نے حکایت میں اس کی طرف اشارہ کر دیا ہے۔ تو خود اسے سمجھ لے۔

(۴۰) خوشتر آں باشد کہ سرِّ دلبراں — گفتہ آید در حدیثِ دیگراں

مناسب یہی ہے کہ معشوقوں کے راز کو دوسروں کی حکایت کے ضمن میں بیان کیا جائے، براہِ راست واضح نہ کیا جائے

(۴۱) گفت مکشوف و برہنہ بے غلول — باز گو، دفعم مدہ اے بوالفضول

میری جان نے مجھ سے کہا کہ اے ابوالفضول! ٹال مٹول مت کر، تو اس راز کو مجھ سے صاف صاف واضح الفاظ میں بے پردہ بیان کر دے۔ اشاروں سے میری تسلی نہیں ہو سکتی، غلول یعنی خیانت، مراد ہے اخفاء کیونکہ خیانت بھی پوشیدہ طریقہ ہی سے کی جاتی ہے

(۴۲) باز گو اسرار رمزِ مرسلیں، — آشکارا بہ کہ پنہاں سترِ دیں،

رمزِ مرسلیں اور سترِ دیں دونوں سے وہی وحدت الوجود کا راز مراد ہے، میری جان نے مجھ سے کہا کہ اللہ کے رسولوں کی تعلیم کے اسرار و رموز صاف لفظوں میں بیان کر دو، تم خود سوچو کہ سترِ دیں (دین کی حقیقت) کو آشکارا کرنا بہتر ہے، یا اس کو پنہاں کرنا بہتر ہے؟

واضح ہو کہ مولانا نے اس شعر میں درپردہ یہ تعلیم دی ہے کہ وحدت الوجود کا عقیدہ، دینِ اسلام کی روح ہے یعنی جب تک ایک مسلمان یہ عقیدہ نہ رکھے کہ کائنات میں درحقیقت صرف حق تعالیٰ ہی موجود ہے اور اس کے سامنے ساری مخلوقات کالعدم ہیں، یعنی ان کا وجود ظلی یا مجازی ہے۔ اس وقت تک وہ حقیقی معنی میں مسلمان نہیں ہو سکتا۔ (مزید تشریح کیلئے مقدمہ دیکھو)

(۴۳) پردہ بردار و برہنہ گو کہ من، — می نخسپم با صنم در پیرہن

پردہ اٹھا دے اور صاف لفظوں میں بیان کر۔ کیونکہ میں محبوب (صنم) کے ساتھ پیراہن پہن کر سونا پسند نہیں کرتی اگر کوئی شخص قمیض پہن کر صنم کے ساتھ سوئے۔ تو دونوں کے درمیان حجاب حائل ہو جائے گا۔ مطلب اس سے یہ ہے۔ کہ میں تمثیلات کا پردہ پسند نہیں کرتی۔ حقیقت کو عریاں دیکھنا چاہتی ہوں،

(۴۴) گفتم ار عریاں شود او در عیاں — نے تو مانی نے کنارت نے میاں

میں نے اپنی جان سے کہا کہ اگر میں وحدت الوجود کا راز آشکار کر دوں یعنی صاف لفظوں میں یہ کہہ دوں کہ لاموجود الا اللہ یعنی اللہ کے سوا حقیقی معنی میں کوئی موجود نہیں ہے، تو پھر نہ تو باقی رہے گی۔ نہ تیری بغل اور نہ تیری کمر یعنی ساری کائنات معدوم ہو جائے گی۔ اسی مضمون کو یوں ادا کیا ہے۔ ع

فاش اگر گویم جہاں برہم زنم،

(۴۵) آرزو می خواہ لیک اندازہ خواہ — بر نتابد کوہ را یک برگِ کاہ

(۴۶) تا نگردد خونِ دل و جانِ جہاں — لب بہ بند و دیدہ بر دوز ایں زماں

بیشک آرزو کر لیکن اپنے حوصلہ سے زیادہ آرزو مت کر، گھاس کا ایک تنکا پہاڑ کا بوجھ نہیں اُٹھا سکتا۔ اس وقت خاموشی اختیار کر، ہونٹ اور آنکھیں بند کرلے کہیں ایسا نہ ہو کہ جہان کی جان اور اس کا دل دونوں خون ہو جائیں یعنی جہاں کی ہستی برباد ہو جائے۔

(۴۷) **خود ثنا گفتن زمن ترکِ ثناست　　کایں دلیلِ ہستی و ہستی خطاست**

مولانا اگرچہ سرِ توحید کو صاف لفظوں میں بیان نہیں کرتے۔ لیکن اپنی جان کے ساتھ اس فرضی مکالمہ میں اس کی طرف اشارہ ضرور کرتے جاتے ہیں چنانچہ اس اہم شعر میں انہوں نے کمال خوبی کے ساتھ وحدت الوجود کی حقیقت واضح کر دی ہے کہتے ہیں کہ اگر میں اُس محبوب حقیقی (حق تعالیٰ) کی حمد و ثنا کروں تو در حقیقت میرا یہ فعل بے ادبی اور گستاخی (ترک ثنا) قرار پائے گا۔ کیونکہ میرا یہ قول کہ میں اس کی حمد و ثنا کرتا ہوں، اس بات کی دلیل ہے، کہ میں بھی موجود ہوں۔ بالفاظ دگر یہ کہہ کر میں اپنی ہستی کا اثبات کر رہا ہوں اور اُس محبوب حقیقی کے مقابلہ میں اپنی ہستی کا اثبات کرنا عین خطا ہے۔ کیونکہ حقیقی ہستی (یعنی) تو خدا کے سوا کوئی موجود ہی نہیں ہے۔

(۴۸) **آفتابے کز وے ایں عالم فروخت　　اندکے گر بیش تابد جملہ سوخت**

(۴۹) **فتنہ و آشوب و خونریزی مجو!　　بیش ازیں از شمس تبریزی مگو**

مولانا اپنے سکوت کی دلیل دیتے ہیں کہ یہ ظاہری آفتاب جس سے سارا عالم روشن ہے۔ اگر تھوڑا سا اور نزدیک آجائے تو سارا عالم جل کر خاک سیاہ ہو جائے۔ اگر عالم اس ظاہری آفتاب کے انوار کی تاب نہیں لا سکتا۔ تو آفتاب باطنی (شمس تبریزیؒ) کے انوار (بیانِ سرِ وحدۃ الوجود) کی تاب کیسے لا سکتا ہے؟ اس لئے (جان سے خطاب ہے) فتنہ و آشوب و خونریزی کے درپے مت ہو، یعنی شمس تبریزیؒ کے کمالات کا تذکرہ مت کر۔

(۵۰) **ایں ندارد آخر از آغاز گو　　رَو تمام ایں حکایت باز گو**

چونکہ اس مضمون (راز وحدت الوجود) کی تو کہیں انتہا نہیں ہے، اس لئے اب اس کو یہیں ختم کر دو، اور اس حکایت کا بیان شروع کرو۔

(باقی آئندہ)

ضروری التماس یہ شمارہ جلد دوم کا نمبر آپ کی خدمت میں بھیجا جا رہا ہے اس شمارہ کے ساتھ کئی حضرات کی مدت خریداری ختم ہو جائے گی۔ اُن کے پتوں کی سلپ پر خریداری نمبر پر سُرخ نشان لگا دیا ہے وہ آئندہ سال کے لئے چندہ بذریعہ منی آرڈر ارسال فرما دیں، منی آرڈر بھیجتے وقت اپنا خریداری نمبر ضرور لکھیں۔ اگر اُن کی طرف سے نہ منی آرڈر آیا، نہ کوئی اطلاع، تو آئندہ پرچہ اُن کو بذریعہ وی پی بھیجا جائے گا۔ جو انہیں ضرور وصول کرنا ہوگا۔ ورنہ ادارہ کو سخت نقصان ہوگا۔ یہ ماہنامہ چونکہ دینی اور تبلیغی ہے۔ اسے جاری رکھنے کے لئے ادارہ کی حوصلہ افزائی بھی فرما دیں اور ثواب دارین بھی حاصل کریں۔

خط و کتابت و ترسیل زر کا پتہ:- **دفتر ندائے حق ۳ اونکار روڈ - لاہور**

شائقین ان کتب کے لئے دفتر رسالہ ندائے حق ۳ اونکار روڈ کرشن نگر لاہور سے **عصائے موسوی** - بجواب حدیث پرویز نمبر ۲، جناب پرویز صاحب کے رسالہ موسومہ اندھے کی لکڑی کا جواب از پروفیسر ... منگوا سکتے ہیں